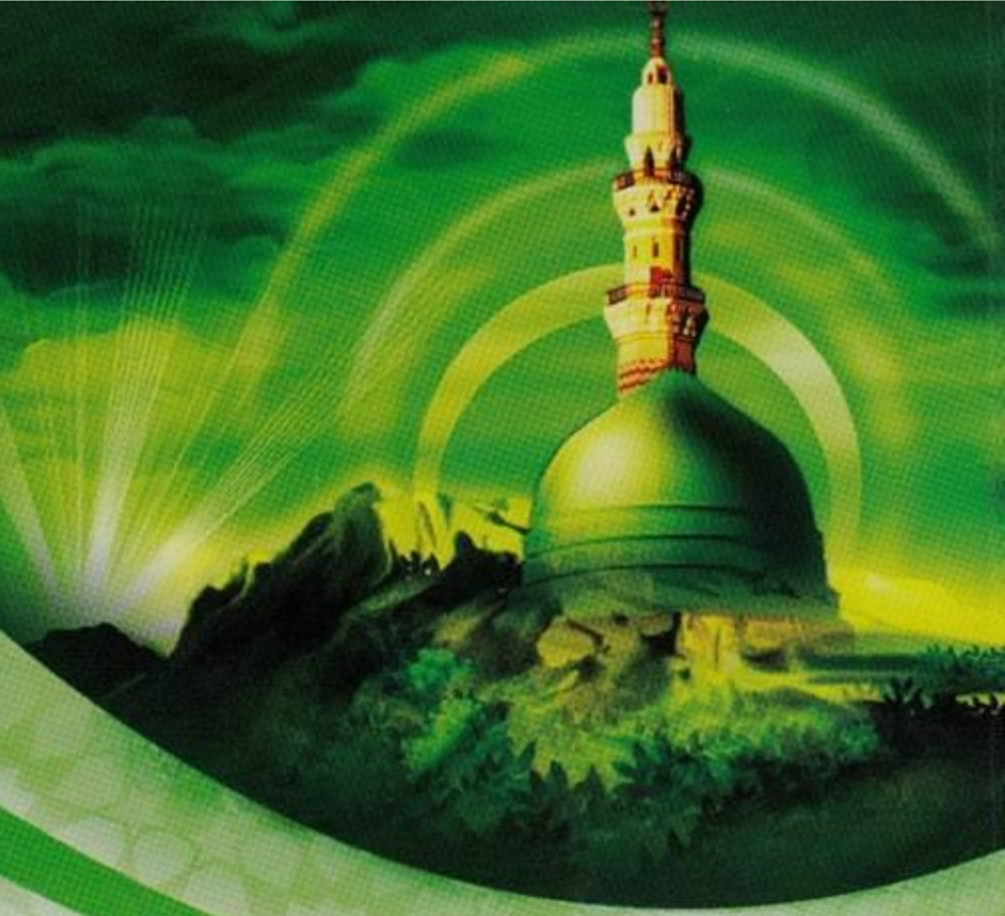




اتباع اور تقلید میں فرق

تحریر: ابوالاسجد صدیق رضا حفظہ اللہ

منہاج السنۃ النبویۃ لائبریری

حیدرآباد دکن




اتباع اور تقلید میں فرق

تحریر: ابوالاسجد صدیق رضا حفظہ اللہ

منہاج السنۃ النبویۃ لائبریری

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لفظ ''امام'' واحد ہے اور اس کی جمع ''ائمہ'' ہے۔ لفظ ''امام'' فِعال کے وزن پر اسم ہے۔ اس کے معنی ہیں ''مَنْ یوتم به'' جس کا قصد یا ارادہ کیا جائے، چونکہ مقتدا و رہنما کا قصد کیا جاتا ہے تو اس وجہ سے اُسے امام کہتے ہیں، جس کی فرمانبرداری یا پیروی کی جائے اُسے ''امام'' کہتے ہیں، خواہ اس کی پیروی حق پر مبنی ہو یا باطل پر، پھر یہ پیروی کسی کی بھی ہو خواہ انسان کی ہو یا کسی کتاب کی۔

جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''تورات شریف'' کو ''امام'' کہا، ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ﴾

اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب امام و رحمت تھی۔ (ھود:١٧، الاحقاف:١٢)

قرآن مجید اور احادیث میں اس لفظ کا استعمال مختلف معنی میں ہوا ہے، مثلاً حکمران کے معنی میں، اسی طرح نماز پڑھانے والے کے لئے، عام طور پر کسی علم میں بصیرت و مہارت رکھنے والے کو بھی ''امام'' کہا جاتا ہے، خواہ اُس کے عقائد سے اتفاق نہ بھی ہو۔

ہم قارئین کے اطمینان کے لئے فریق ثانی کے معتمد عالم اور دیوبندیوں کے موجودہ ''امام'' سرفراز خان صفدر صاحب کے الفاظ نقل کئے دیتے ہیں:

''ہم نے اس کتاب میں مسئلہ علم غیب کے سلسلہ میں علامہ زمخشری سے ان کے غلو فی الاعتزال کی وجہ سے کوئی استدلال نہیں کیا بلکہ صرف امام عربیت ہونے کی وجہ سے حلِ عبارت میں استدلال کیا ہے اور ان کے امام اہل عربیت ہونے کا کوئی منکر نہیں ہے۔''

(ازالۃ الریب ص ١٣٥)

اسی طرح لکھتے ہیں: ''تکمیل بحث کے لئے ائمہ لغت سے بھی غیب کی تعریف نقل کر دی جائے، مشہور امام لغت ابو منصور عبد الملک بن محمد الثعالبی (المتوفی ٤٢٩ھ) لکھتے ہیں''

(ازالۃ الریب ص ۵۹) حوالے تو مزید بھی دیئے جاسکتے ہیں، لیکن بطورِ تائید یہی کافی ہے۔ اس سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کسی فن یا علم میں مہارت کی وجہ سے بھی ماہر کو عام طور پر ''امام'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقتدا ورہنما و مطاع اور امامت کے منصب پر فائز نہیں۔ نہ یہ واجب الاتباع امام ہیں کہ ان کی ہر ہر بات ہر ہر فعل پر عمل لازم ہو۔ ایسے ''امام'' صرف انبیاء کرام ہیں، عوام جب انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے یا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے اس لفظ کا استعمال سنتے ہیں تو انہیں بڑی حیرانگی ہوتی ہے اور بعض سادہ لوح حضرات تو کہہ بیٹھے ہیں کہ جناب وہ تو نبی ہیں، نہ کہ امام، حالانکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں سے ہر ہر نبی علیہ السلام ''امام'' تھے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ انبیاء میں بعض انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ﴾ اور ہم نے اُن (رسولوں) کو امام بنایا تھا اور وہ ہمارے حکم سے ہدایت/ رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے اُن کی طرف نیک اعمال کرنے کی وحی کی۔ (الأنبیآء:۷۳)

اب دیکھئے قرآن مجید سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن پر وحی کا نزول ہوتا ہے، جس سے وہ اپنی قوم کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طرح جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چند باتوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا تو آپ ان آزمائشوں پر پورے اترے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ کہ میں تمہیں لوگوں کا ''امام'' بنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی، تو اللہ نے فرمایا (ہاں لیکن) ظالم لوگ میرے اس وعدہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ (البقرہ:۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سیدنا اسماعیل وسیدنا اسحاق وسیدنا یعقوب وسیدنا یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت وامامت کے منصب پر فائز فرمایا اور بالآخر نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک کے لئے نبوت وامامت کا منصب عطا فرمایا۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن میں آخری امام محمد ﷺ ہیں، جنہیں امامت کا منصب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جن کی اتباع و پیروی کو اللہ ہی نے فرض و لازم قرار دیا، جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

امم سابقہ کی طرح علم کے امام تو اس امت میں بھی بے شمار ہوئے اور ہوں گے لیکن واجب الاتباع اور واجب الاطاعت ''امام'' صرف محمد ﷺ ہیں جو کہ دین کے امام ہیں، علم کے امام قابل احترام بلکہ واجب الاحترام ہیں، اُن کا احترام اور بلا امتیاز ان کے علم سے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن ان کی اطاعت و پیروی کو واجب یا فرض قرار دینا درست نہیں۔ اب قیامت تک کے لئے واجب الاتباع امام صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہم نے ان صفحات میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''امام'' جو کہ دین کے ''امام'' ہیں، اُن کی اطاعت اور لوگوں کے خود اپنے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید جو لوگوں نے خود واجب کی ہے اُس میں ''فرق'' ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

واضح رہے کہ اس سے ہمارا مقصد ان ائمہ کی گستاخی یا بے ادبی یا ان کی توہین قطعاً نہیں، بلکہ ہم تو تمام ائمہ کو واجب الاحترام سمجھتے ہیں، انہیں علم کا ''امام'' سمجھتے ہیں۔

ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ لوگ حق سمجھیں، قرآن و سنت اور رسول اللہ ﷺ کے حقوق سمجھیں اور اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار و زندگی کا مقصد بنا کر اپنی آخرت کو سنواریں اور رب کریم کی بے شمار رحمتوں کے مستحق بن کر اُس کی رضا حاصل کر کے جنت میں داخل ہوں اور عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

﴿ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْمًا ﴾ جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی وہ بڑی عظیم کامیابی پا گیا۔ (الاحزاب:۷۱)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی و ہدایت کے لئے انبیاء و رسل اور صحف و کتب کا سلسلہ جاری

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف قوموں بلکہ ہر قوم کے درمیان اپنے رسل مبعوث فرمائے، حتیٰ کہ یہ سلسلہ نبی آخر الزمان، امام الانبیاء، امام الاتقیاء، خاتم الرسل محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو نمونہ کامل، مطاع اور امام بنایا وہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں کہ جس کی اتباع، اطاعت، اقتدا، فرمانبرداری و پیروی کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے فرض ولازم کیا ہو، جی ہاں! کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف دعوت دیتے رہے، جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا شرف حاصل کیا ان کا بھی یہی عقیدہ وایمان رہا ہے کہ محمد ﷺ کی اطاعت رہتی دنیا تک کے انسانوں پر فرض ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں کہ جس کی ہر بات حجت ودلیل ہو اور قیامت تک کے لوگوں کے لئے اس کی اطاعت وپیروی فرض ہو، پھر جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اسلام قبول کیا، پھر جنہوں نے ان تابعین کی دعوت پر اسلام قبول کیا، ان کا بھی یہی عقیدہ وایمان رہا، وہ بھی نمونہ کامل، مطاع اور امام محمد ﷺ ہی کو سمجھتے تھے اور اس طریق حق پر قائم رہے، اور چارسوسال تک یہ سلسلہ مبارکہ یوں ہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ دور بھی آیا جو دیگر امتوں میں آتا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

((ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعد هم خلوف يقولون مالا يفعلون و يفعلون ما لا يؤمرون. إلخ)) ترجمہ: مجھ سے پہلے جو بھی نبی اللہ تعالیٰ نے کسی امت میں بھیجا اس امت میں ان کے مددگار اور ساتھی ہوتے جو ان کی سنت پر عمل

کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے، پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے جو ایسی باتیں کرتے جن پر وہ عمل نہیں کرتے (مثلاً رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعوی، سنت پر عمل کا دعوی، لیکن عمل کسی اور کے طریقہ کے مطابق) اور ایسے اعمال کرتے جن کا اُنہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (یعنی اپنی طرف سے نئے نئے عقائد، نئے نئے اعمال اور طریقے ایجاد کرتے، بدعات گھڑتے جس کی قطعاً اجازت نہیں) الخ

(صحیح مسلم: ۸۰/۵۰ و دارالسلام: ۱۷۹)

صحابہ کرام، تابعین عظام و تبع تابعین تک یہ سلسلہ درست رہا، لوگوں کی اکثریت قرآن وسنت اور نبی کریم ﷺ کے احکام کی پیروی کرتی رہی، اتباع اور اطاعت کے لئے انہوں نے کسی اور امام کو مقرر نہیں کیا۔

ذخیرۂ احادیث اور تاریخ میں اس بات کا بالکل کوئی ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے لئے کوئی ایک امام و مطاع بنا رکھا تھا جس کی وہ تقلید کیا کرتے تھے، ہرگز نہیں۔ البتہ ان کے بعد دھیرے دھیرے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے بارے میں نبی ﷺ نے مطلع فرمایا تھا، ایسے لوگ جو ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں آتے رہے۔ انہوں نے ایسے کام نہ کئے کہ جن کا انہیں حکم ملا تھا، بلکہ ایسے کام کرنے لگے جن کا اُنہیں بالکل ہی حکم نہیں ملا تھا۔ ایسے لوگوں نے اپنی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنی درستگی احوال و اصلاح کے لئے، گمراہی و ضلالت سے بچنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام و مطاع، یعنی نبی و رسول کی ذات گرامی اور آپ کی تعلیمات کو عملاً کافی نہ سمجھا بلکہ اپنی طرف سے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام و مطاع اور مقتدا چن لئے، اُن کی اطاعت و فرمانبرداری و پیروی کو اپنے آپ پر خود واجب کر لیا۔

دیوبندی مسلک کے ''حکیم الامت و مجدد الملت'' اشرفعلی تھانوی صاحب نے قدرے تفصیل سے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ ''جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانِ فیض اقتران میں طرزِ عمل لوگوں کا یہ تھا کہ آپ کے قول و فعل کا سنتے دیکھتے

اتباع کرتے، جو ضرورت ہوتی دریافت کر لیتے، اصول اسباب وعلل واحکام کے نہ کسی نے دریافت کئے نہ پورے طور سے بیان کئے گئے۔'' (امداد الفتاوی جلد۵ص۲۹۴)

''بعد وفات شریف آپؐ کے وقائع قدیمہ میں چونکہ ایک صحابی کو کوئی حدیث نہ پہنچی لیکن یاد نہ رہی یا یاد رہی مگر فہم معنی میں غلطی ہوئی'' (۲۹۴/۵، ۲۹۵) مزید لکھتے ہیں:

''اور عوام جس سے چاہتے بلا تقلید وتعین کسی امام یا مفتی کے فتوی پوچھ کر عمل کرتے اور جس فتوی میں تعارض ہوتا اس میں اعدل واوثق واحوط اقوال کو اختیار کرتے، مأ ۃ رابعہ تک یہی حال رہا۔ بعد مأ ۃ رابعہ کے قضائے الٰہی سے بہت سے امور پر آشوب پیدا ہوئے۔ تقاصر ہمم یعنی ہمتیں ہر علم میں پست ہونا شروع ہوئیں'' (۲۹۶/۵، ۲۹۷)

''......**تعمق فی الفقہ والحدیث** یعنی دونوں علموں میں افراط ہونے لگا۔ یعنی بعض فقہاء اپنے اصول ممہدہ سے حدیث صحیح کو رد کرنے لگے، اور بعض اہل حدیث ادنیٰ علت ارسال وانقطاع یا ادنیٰ ضعف راوی سے مجتہد کی دلیل کو باطل ٹھہرانے لگے جور قضاۃ یعنی قاضی اپنی رائے سے جس پر چاہتے تعدی کرتے۔ تعصب یعنی اپنی جماعت کو امور محتملہ میں یقیناً حق پر سمجھنا۔ دوسرے کو قطعاً باطل جاننا، جب یہ آفتیں پیدا ہوئیں جو لوگ اُس زمانے میں معتد بہ تھے انہوں نے اتفاق کیا......'' (۲۹۷/۵)

''چونکہ ائمہ اربعہ سابقین سے مذہب مشہور نہ تھا لہذا اُن کی تقلید پر اجتماع کیا گیا اور اور ترک التزام مذہب واحد میں ظن غالب تلاعب فی الدین وابتغاء رخص واتباع ہونے کا تھا۔ لہذا التزام مذہب معین کا لابدّ کیا اور بدون کس غرض محمود شرعی کے اس سے انتقال وارتحال کو منع کیا گیا۔ اس وقت سے لوگوں نے تقلید پر اطمینان کر کے کچھ تو قوت استخراج کی کم تھی، کچھ توجہ نہ کی، قیاس منقطع ہو گیا، بہت لوگ اہل حدیث میں سے اس مشورت پر مصلحت کے مخالف رہے مگر کسی پر لعن طعن نہیں کرتے تھے۔'' (۲۹۷/۵)

اس کے بعد آگے چل کر تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''پس کسی کو امام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے ان پر ظن اصابت ورشد کا ہوا...... کسی کو امام شافعی پر یہ ظن ہوا کسی کو امام

مالک پر اور کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔''

(امداد الفتاوی کتاب البدعات ج نمبر ۵، ص ۲۹۷، سوال نمبر ۲۶۸ کا جواب، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴)

نوٹ: تھانوی صاحب کی طویل ترین عبارت سے چیدہ چیدہ مقامات یہاں درج کیے ہیں، بس اس طرح نبی ﷺ کے فرامین اور اوامر واحکام اور ان کی سنتوں پر ہی ثابت قدمی کے بجائے اس امت کی اصلاح کے لئے وہ قدم اٹھایا گیا، جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ ان لوگوں نے پچھلی امتوں کی طرح اپنے اپنے امام مقرر کر لئے اور محض اپنی مرضی سے ان کی تقلید سے نکلنے کو ناجائز وحرام تک کہا گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اگر وہ حکم الٰہی کے مطابق اس فتنہ واختلاف کا حل چاہتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو جب تمہارا کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے، اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ۔

(النسآء: ۵۹)

لیکن افسوس کہ لوگوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے ظن کے مطابق اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام مقرر کر لئے۔ اشرفعلی تھانوی صاحب نے واضح الفاظ میں اس کا اقرار کیا ہے کہ کسی نے امام ابو حنیفہ کو مقرر کر لیا، کسی نے امام شافعی کو اور کسی نے احمد بن حنبل اور امام مالک کو مقرر کر لیا۔ معلوم ہوا کہ ائمہ رحمہم اللہ لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے واجب الاطاعت امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام نہیں ہیں، حتیٰ کہ خود ان ائمہ نے بھی اپنی اطاعت یا تقلید لوگوں پر واجب نہیں کی بلکہ ان میں سے کسی امام کی وفات کے سینکڑوں سال بعد اور کسی کی وفات کے پچاس سال بعد لوگوں نے خود اپنی طرف سے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر ان کی تقلید اور پیروی کو واجب قرار دے دیا۔

اگر آپ کو ہماری معروضات پر یقین نہ آئے تو اپنے کسی مولوی صاحب سے پوچھ کر دیکھ لیں کہ کیا اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے ان مقدس ہستیوں کو منصب امامت پر فائز

کر کے ہمارے لیے امام مقرر کیا ہے؟ کیا قرآن مجید یا احادیث مبارکہ میں اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟ آپ کو کوئی ثبوت نہیں ملے گا کہ ان چار اماموں کی تقلید واجب ہے۔

فرض کیجئے! اگر کوئی مولوی صاحب آپ کو ایسی کوئی دلیل دکھا دے تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ غور کریں اگر ان چاروں کی تقلید فرض یا واجب ہے تو آپ صرف ایک امام کی تقلید کو کیوں واجب قرار دیتے ہیں؟ اگر صرف ایک امام کی تقلید واجب ہے تو پوری اُمت اُس ایک امام کی تقلید کیوں نہیں کرتی؟ چار علیحدہ علیحدہ اماموں میں سے ہر ایک نے اپنے لیے الگ الگ امام کیوں چن رکھے ہیں؟

سر دست ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ آخری امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے اماموں کی تقلید میں کیا فرق ہے؟

پہلا فرق: اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو، اگر تم (اُن کی اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کی ذمہ داری تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (المآئدہ:۹۲)

۲: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اگر تم واقعی مومن ہو۔ (الانفال:۱)

اس آیت پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو، ورنہ تمہارا یہ دعویٰ ایمان کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۳: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ

پھیریں تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ (آل عمران:۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روگردانی کرنا، اعراض کرنا، منہ پھیرنا کافروں کا طرزِ عمل ہے نہ کہ ایمان والوں کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۴: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران:۱۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصول ہوگا۔

۵: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور اُن کی بات سن لینے کے بعد اُن کی اطاعت سے روگردانی مت کرو۔ (الانفال:۲۰)

کتنے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اُن کی بات سننے کے بعد منہ نہ پھیرو، نافرمانی نہ کرو، اعراض نہ کرو۔ لیکن افسوس کہ لوگوں نے عجیب عجیب اصول بنا لیے ہیں۔

دیوبندیوں کے ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''اور اگر اُسے کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے تب بھی اُسے اپنے امام کا مسلک نہیں چھوڑنا چاہیئے۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص۹۲ سطر نمبر ۷، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴)

اسی طرح بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں: ''یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگر چہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ (جاء الحق، حصہ اول، ص۳۴۳، مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ ۴۰، اُردو بازار، لاہور والنسخۃ القدیمہ ۱/۲۶)

غور کیجئے! اللہ تو فرما رہا ہے، جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لو تو پھر منہ نہ پھیرنا، نافرمانی نہ کرنا مگر ہمارے یہ ''علماء'' کیا فرماتے ہیں کہ امام کے مسلک کو نہ چھوڑنا۔ مطلب صاف اور واضح ہے کہ قرآن وحدیث چھوٹیں تو چھوٹ جائیں پر امام کا مسلک نہ چھوڑنا۔

اکثر عوام سوال کرتے ہیں، کیا یہ بڑے بڑے علماء قرآن وحدیث نہیں سمجھتے اور پڑھتے

نہیں؟ ۔عرض ہے کہ ایسے لوگ غور کرلیں، جب ان بڑے بڑے علماء نے یہ اصول بنا رکھے ہیں تو وہ خود کس طرح مانیں گے۔ اگر چہ لاکھ حدیثیں پڑھتے رہیں، ایسے لوگوں کے متعلق شاہ ولی اللہ الدھلوی صاحب فرماتے ہیں:''**فإن بلغه حديث واستيقن بصحته ولم يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد ليس فيه شاهد من النقل والعقل وماكان أحد من القرون السابقة يفعل ذلك.**'' اگر کسی مقلد کو کوئی حدیث پہنچی اور اُس نے اُس حدیث کے صحیح ہونے کا یقین بھی کرلیا اور پھر بھی اُس نے حدیث کو اس لیے قبول نہ کیا کہ اُس کی ذمہ داری تقلید کے ساتھ مشغول ہے تو یہ فاسد اعتقاد اور گھٹیا بات ہے، اس میں نقل وعقل کا کوئی شاہد نہیں اور گزشتہ صدیوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسی تقلید نہیں کرتا تھا۔ (عقدالجید ص ۸۵ دوسرا نسخہ ص ۴۷، ۴۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''**فإن شئت أن ترى أنموذج اليهود فانظر إلى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقداعتادوا تقليد السلف، وأعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة، وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده، واستحسانه، فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم، وتمسكوا بأحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة ...**''

اگر تم چاہتے ہو کہ یہودیوں کا نمونہ دیکھو تو اُن علماءِ سوء کی طرف دیکھو جو دنیا کے طلبگار رہیں اور گزرے ہوئے لوگوں کی تقلید کے عادی ہیں اور کتاب وسنت کی نصوص سے روگردانی کرتے ہیں اور کسی عالم کی روش، اس کے تشدد اور اس کے استحسان کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور شارع معصوم کے کلام سے اعراض کرتے ہیں اور جعلی موضوع احادیث اور فضول تاویلات سے استدلال کرتے ہیں اور یہ اُن کی ہلاکت کا سبب ہے۔

(الفوز الکبیر ص ۹ دوسرا نسخہ ص ۱۸)

ویسے تو تقی عثمانی صاحب، معاذ اللہ صحابہ کرام وتابعین عظام کی مقدس جماعت تک کو مقلد ثابت کرنے چلے تھے!!! لیکن افسوس کہ اُن کے اپنے ہی بزرگ یہ بات بیان کر چکے

ہیں کہ وہ جس ''تقلید'' کی دعوت دے رہے ہیں قرونِ سابقہ (پہلی صدیوں) میں کوئی ایک شخص بھی ایسی ''تقلید'' کا قائل نہ تھا، بلکہ محمد تقی عثمانی صاحب جس ''تقلید'' کی دعوت دیتے ہیں شاہ ولی اللہ ایسے لوگوں کو یہودیوں کا ماڈل قرار دیتے ہیں۔

تقی صاحب یا کوئی اور صاحب اسے ہمارا تشدد قرار نہ دیں، بلکہ یہ سب کچھ اُن کے مسلّمہ بزرگ کا فرمایا ہوا ہے، لہٰذا چاہئے کہ وہ اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

مذکورہ پانچ آیات پر غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا، جبکہ پورے قرآن مجید میں لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام کی اطاعت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ آپ سابقہ صفحات پر اشرف علی تھانوی صاحب کا یہ قول تو پڑھ چکے ہیں کہ ''پس کسی کو امام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے اُن پر ظن اصابت ورشد کا ہوا کسی کو امام شافعی پر یہ ظن ہوا کسی کو امام مالک پر کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔'' (امداد الفتاویٰ۔ج ۵ ص ۲۹۹)

اسی طرح دیوبندی مقلدین کے ''شیخ الاسلام'' محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ اعتراف کیا کہ ''اسی بنا پر بعد کے فقہاء نے یہ فرمایا کہ اب تقلید شخصی کی پابندی ضروری ہے، اور کسی ایک مجتہد کو مُعیّن کر کے ہر مسئلے میں اس کی پیروی کی جائے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۶۸)

اسی طرح لکھتے ہیں: ''علماء امت نے صرف تقلیدِ شخصی کو عمل کے لیے اختیار کر لیا۔''
(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۷۸)

ان کے علاوہ بھی تقی عثمانی صاحب نے اسی کتاب کے ص ۶۰، ۶۱، ۶۵ پر بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان ائمہ کی تقلید کو علماء یا فقہاء نے واجب کیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کو مقرر بھی اپنی مرضی سے کیا گیا اور ان کی تقلید و پیروی کو بھی خود لازم کیا گیا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیروی کا حکم دیا۔

یہ عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا اور لوگوں کے

مقرر کردہ امام کی تقلید کو لوگوں نے خود فرض قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے اس کا کوئی حکم نہیں دیا۔

دوسرا فرق: اللہ تعالیٰ کی محبت اور مغفرت کی ضمانت

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اے نبی (ﷺ)! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۳۱)

کس قدر فضیلت ہے، اتباع رسول ﷺ کی کہ آپ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔ اس دعویٰ کے صدق کے لیے جس دلیل کی ضرورت ہے وہ دلیل رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے رکھتے ہیں۔ (البقرہ:۱۶۵)

اور اللہ کی محبت مشروط ہے، مقیّد ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت کے ساتھ، آپ ﷺ کی پیروی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی محبت کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں اور جب ہم اتباع کریں گے تو خالق کائنات مالک ارض وسموات بذات خود ہم سے محبت کرے گا اور ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور پھر جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس کی کیا شان ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**إذا أحب اللّٰه تعالى العبد نادى جبرئيل: إن اللّٰه تعالى يحب فلانًا ، فاحببه ، فيحبه جبريل فينادى فى أهل السماء: إن اللّٰه يحب فلانًا فاحبوه ،يحبه أهل السماء ،تم يوضع له القبول فى الأرض.**))

جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے (اور بتاتا ہے) کہ اللہ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ [صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: اِنِّی اُحِبُّ فلانًا میں فلاں

بندے سے محبت کرتا ہوں] پس تو بھی اس بندے سے محبت کر، پھر جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل (علیہ السلام) آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی (اعلان) کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ آسمان والے (فرشتے) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری:۳۲۰۹ و صحیح مسلم:۲۶۳۷، دارالسلام:۶۷۰۵)

یہ عظیم مرتبہ و مقام کیسے حاصل ہوتا ہے؟ فَاتَّبِعُوْنِیْ یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے۔

یہ فضیلت ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع و اطاعت کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ہیں۔

قرآن و سنت میں تلاش کیجیے کوئی ایک آیت یا ایک حدیث بھی آپ کو لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی اتباع، اطاعت، پیروی اور فرمانبرداری کی فضیلت میں ایسی نہیں ملے گی کہ ان اماموں کی تقلید کرنے سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، تمہاری مغفرت فرمائے گا۔ یہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی ہی کی فضیلت ہے، اُسی اتباع کی شان و عظمت ہے۔ افسوس کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی کی یہ فضیلت دیکھی اور خود اپنے مقرر کردہ امام کی اتباع و پیروی کو اس سے تہی دامن و خالی پایا تو بعینہ یہی فضیلت و شان خود ساختہ امام کے لیے بھی گھڑ دی، علاء الدین الحصکفی نے اپنی کتاب درمختار میں لکھا: ''امام ابوحنیفہ رات کے وقت کعبہ میں داخل ہوئے، دو ستونوں کے درمیان نماز کے لیے کھڑے ہوئے، اس طرح کہ پہلے اپنی دائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور بائیں ٹانگ کو دائیں کے اوپر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ آدھا قرآن مجید ختم کر لیا، پھر رکوع و سجود کے بعد اپنی بائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور دائیں ٹانگ کو بائیں پر رکھا، یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ختم کیا، پھر جب سلام پھیرا اپنے رب سے مناجات کی اور کہا: الٰہی! اس بندے نے تیری عبادت کا حق ادا نہ کیا، لیکن تیری معرفت کا حق ادا کر دیا۔

اس کی خدمت کے نقصان کو اُس کی کمالِ معرفت کی وجہ سے بخش دے۔ کعبہ کے ایک طرف سے ندا دینے والے نے ندا دی (غیب سے آواز آئی) کہ ''یاأبا حنیفة قد عرفتنا حق المعرفة وخدمتنا فأحسنت الخدمة قد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان علىٰ مذهبك إلى يوم القيٰمة'' اے ابوحنیفہ! تو نے ہماری معرفت کا حق ادا کر دیا اور تو نے خوب ہماری خدمت کی، پس ہم نے تیری مغفرت کر دی اور ہر اُس شخص کی بھی مغفرت کر دی جو تیری اتباع کرے اور تیرے مذہب پر ہو قیامت تک کے لیے (یہی حکم ہے)'' (درمختار عربی ج ا ص ۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[پوری نماز ایک ٹانگ پر پڑھی !!! یہ قصہ امام ابوحنیفہ سے با سند صحیح ثابت نہیں ہے، لہٰذا امام صاحب اس من گھڑت قصے سے بری ہیں۔ ایک ٹانگ پر نماز پڑھنا خود حنفیوں کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔ دیکھئے فتاویٰ عالمگیری (١/ ١٠٨)/ محمد صدیق رضا]

اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی قصور نہیں، نہ آپ نے کبھی ایسا دعویٰ ہی کیا، لیکن لوگ ہیں کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑ دیتے ہیں۔ غور کیجئے! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی فضیلت بیان کی، لوگوں نے اپنی کتابوں میں اپنے خود ساختہ امام کے لیے یہی فضیلت گھڑ دی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کے لیے قرآن مجید میں بذریعہ وحی یہ فضیلت بیان کی ہے تو ہمارے امام کو بھی اللہ نے یہ کہا ہے کہ جو تیری اتباع کرے گا ہم اُس کی مغفرت کریں گے، گویا وحی کا سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا، اب تک جاری ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ سے کس طرح بات کی اور یہ فضیلت بیان کی (معاذ اللہ)۔ الغرض یہ ایک اور جوہری فرق ہے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع اور لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اتباع کرنے والے سے اللہ محبت فرماتا ہے اور اُن کی مغفرت بھی فرمائے گا، لیکن لوگوں کے مقرر کردہ امام کی ایسی کوئی فضیلت نہیں۔

تیسرا فرق: اطاعتِ رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، پس اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النسآء:۸۰)

یہ ایک عظیم فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا احادیث مبارکہ میں لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کہا۔معلوم ہوا کہ اللہ کی اطاعت کا بس صرف ایک ہی ذریعہ ہے، ایک ہی راستہ ہے، ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جائے۔آپ ﷺ کے طرز بندگی وطرز زندگی کو اپنایا جائے، اسی طرح اللہ کی اطاعت ممکن ہے۔اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، کوئی طریقہ نہیں۔یہ ایک زبردست فرق ہے، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام کی تقلید وپیروی میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کا یہ مقام نہیں کہ اسے عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا جا سکے۔قرآن وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں۔

چوتھا فرق: قبولیتِ عمل کی یقین دہانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔(محمد:۳۳)

جو عمل اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے مطابق نہ ہو وہ عمل باطل ہے، اس کی کوئی فضیلت ہے نہ کوئی ثواب، اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد .))

(صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور ح۱۷۱۸ ودارالسلام: ۴۴۹۳)

جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود ہے، یعنی غیر مقبول ہے۔اسے رد کر دیا جائے گا۔جس عمل میں رسول اللہ ﷺ کا حکم یا طریقہ موجود نہ ہو وہ عمل

ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ اس کو قبول نہیں کرتا اور جو عمل رسول اللہ ﷺ کے طریقے اور حکم و اطاعت کے مطابق ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

اگر تم اللہ کی اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(الحجرات:۱۴)

کس قدر یقین دہانی کرائی گئی، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اگر عمل کیا جائے تو اللہ اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا، بلکہ اللہ اسے قبول فرمائے گا۔ اور جو لوگوں کے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام ہیں اُن کی تقلید کی یہ شان نہیں اُس کی یہ فضیلت نہیں، اُن کے طریقے کے مطابق ادا کئے جانے والے اعمال کے لیے یہ یقین دہانی نہیں ہے، بلکہ خودساختہ اماموں کی تقلید تو سراسر شک والی کیفیات پر مبنی ہے، اُن کا اپنا بھی یہی فیصلہ ہے۔ علامہ علاء الدین الحصکفی نے درمختار میں لکھا:

"إذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا قلنا وجوبًا مذهبنا صواب يحتمل الخطأ ومذهب مخالفنا خطأ يحتمل الصواب." اگر ہم سے ہمارے مذہب اور ہمارے مخالف کے مذہب سے متعلق پوچھا جائے (کہ کونسا مذہب صحیح ہے) تو ہم یقیناً یہی کہیں گے کہ ہمارا مذہب یا ہمارا طریقِ عمل صحیح ہے، البتہ اس میں غلطی کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب یا طریقِ عمل غلط ہے، ہوسکتا ہے کہ وہی صحیح ہو۔ (درمختار ج۱ص۷)

اسی طرح مسلکِ دیوبند کے "شیخ الاسلام" مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ اعتقاد بھی تقلید کا بدترین غُلو ہے کہ صرف ہمارے امام کا مسلک حق ہے اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب (معاذ اللہ) باطل ہیں" (تقلید کی شرعی حیثیت ص۱۵۷)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: "البتہ ایک مقلد یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ میرے امام کا مسلک صحیح ہے، مگر اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے مذاہب میں ائمہ سے اجتہادی خطا

ہوئی ہے لیکن ان میں صحت کا بھی احتمال ہے" (ایضاً ص ۱۵۷)

لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ شان ہے کہ اُن کی اطاعت کرنے والا اُن کی پیروی کرے، جب اُن سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اُس کے پاس اس بات کے کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی کہ وہ کہے میرے امام کی یہ بات درست ہے اور معاذ اللہ اس میں خطا کا امکان ہے۔ نہیں بلکہ اُس پر لازم ہے، ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ کہے کہ میرے امام کی ہی بات درست ہے اس میں خطا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ یقیناً غلط ہے، اس کی غلطی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں یہ ایک اور بے مثال فرق ہے۔ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت کرنے والا یقین پر ہوتا ہے اور لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید یا پیروی کرنے والا شک وفریب میں ہوتا ہے۔

پانچواں فرق: رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ حتمی وابدی ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب:۳۶)

اس آیت سے واضح ہوا کہ کسی مومن کے پاس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے "فیصلے" کے آجانے کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اُس کے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے صدق دل سے تسلیم کرلے، ورنہ وہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ شان ہے اللہ کے مقرر کردہ "امام" کی، اور حق کی یہی شان ہوتی ہے۔

اس کے برعکس "خود ساختہ امام" کے فیصلوں کی نہ تو یہ شان ہے نہ ہی اہمیت۔ اور خود

اُن کے مقلدین کو بھی اس کا اعتراف ہے، دیوبندی مکتبہ فکر کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''نیز جہاں مسلمانوں کی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو وہاں اس خاص مسئلے میں کسی دوسرے مجتہد کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، جس کی شرائط اصول فقہ وفتویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں، چنانچہ ''علمائے احناف'' نے انہی وجوہ سے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا قول چھوڑ دیا ہے، مثلاً استیجار علیٰ تعلیم القرآن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز تھا، لیکن زمانے کے تغیر کی وجہ سے بعد کے فقہائے حنفیہ نے اُسے جائز قرار دیا، اسی طرح مفقود الخبر عنین اور متعنت وغیرہ کی بیوی کے لیے اصل حنفی مذہب میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہ تھی، چنانچہ متاخرین علماءِ حنفیہ نے ان تمام مسائل میں مالکی مذہب کو اختیار کر کے اُس پر فتویٰ دیا'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴۱)

''آج بھی جن مسائل میں یہ محسوس ہو کہ مسلمانوں کی کوئی واقعی اجتماعی ضرورت داعی ہے، وہاں متبحّر علماء ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں'' (ایضاً ص ۱۴۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر دیوبندی ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ بہت سے فقہاءِ حنفیہؒ نے اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترک کر کے دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے مثلاً انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے، لیکن فقہاء حنفیہ نے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے، اسی طرح مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے لیکن فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کے مسلک کو چھوڑ کر متناسب حصہ پیداوار کی مزارعت کو جائز قرار دیا ہے اور یہ مثالیں تو اُن مسائل کی ہیں جن میں ''تمام متاخرین فقہاء حنفیہ امام صاحب) کے قول کو ترک کرنے پر متفق ہو گئے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷ تا ۱۰۸)

مفتی تقی عثمانی صاحب کی یہ تمام باتیں قابل غور ہیں خود ہی بار بار اپنے مقرر کردہ امام

صاحب کی نافرمانی یا اُن کے اقوال کو جانتے بوجھتے نظر انداز و ترک کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ مثلاً امام صاحب انگور کی شراب کے علاوہ دیگر نشہ آور اشیاء کو اتنی مقدار میں پینا کہ نشہ نہ ہو، جائز قرار دیتے ہیں، لیکن احناف اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مزارعت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''ناجائز'' حنفیوں کے ہاں جائز، لاپتہ وگمشدہ شخص کی بیوی کے لیے ''اصل حنفی مذہب'' میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی تھی، لیکن آج کل ایسے شخص کی بیوی چار سال انتظار کے بعد ''اصل حنفی مذہب'' کے عین خلاف جان چھڑا سکتی ہے۔ کتنی ایسی باتیں ہیں جو کل تک ''اصل حنفی مذہب'' میں ''ناجائز وحرام'' تھیں آج ''جائز وحلال'' ہیں یا اس کے برعکس تو پھر حنفی مذہب اصلی کہاں رہا؟

پھر تقی عثمانی صاحب نے خودساختہ امام کے مسلک کو چھوڑ کر چار اماموں میں سے کسی اور امام کے قول کو اختیار کرنے کا بھی صاف الفاظ میں اختیار دیا ہے۔ غور کریں تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے ''اللہ کے مقرر کردہ امام'' اور ''لوگوں کے مقرر کردہ امام'' کی اطاعت میں۔ حالات کچھ بھی ہوں واقعی اجتماعی ضروریات ہی کیوں نہ داعی ہوں پر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی ''چودہ سو سال'' پہلے کی حلال وجائز کردہ چیز کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ آپ ﷺ کی ''حرام وناجائز'' کردہ چیز کو ''حلال وجائز'' قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ ایمان والے تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے جس چیز کو حرام وناجائز قرار دیا وہ قیامت تک حرام وناجائز ہے اور جس چیز کو آپ ﷺ نے جائز وحلال قرار دیا وہ قیامت تک جائز وحلال ہے، اس کے خلاف ذہن رکھنے والا مومن نہیں ہوسکتا، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کا ہر فیصلہ حتمی وابدی ہے وقتی یا عارضی نہیں۔ اس میں کسی کو کسی قسم کے تغیر وتبدّل کا اختیار نہیں جبکہ ''لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام'' کی یہ شان نہیں خود ان کی تقلید کو فرض اور واجب قرار دینے والے لوگوں نے اپنے مقرر کردہ امام کے کتنے ہی فیصلوں کو بدل دیا ہے، اس کے خلاف اور مخالفت میں فیصلہ دیا۔ تقی صاحب لکھتے ہیں:

''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

پس یہ ایک اور واضح فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی بات ترک نہیں کر سکتے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی کئی باتوں کو خود ان کی تقلید کو واجب کہنے والوں نے بھی ترک کر دیا۔ باوجودیکہ وہ ان کی تقلید شخصی کو واجب سمجھتے ہیں۔ یاللعجب!

چھٹا فرق: دردناک عذاب کی وعید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

پس (رسول اللہ ﷺ) کے امر کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے۔ (النور:۶۳)

اس آیت میں اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کے امر یعنی حکم یا فعل کی مخالفت کرنے والے یا اس سے پہلو تہی کرنے والے کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ شان صرف آپ ﷺ کے حکم یا فعل کی ہے، لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کی یہ شان نہیں، بلکہ وہاں بلا خوف وخطر ان کے امر ونواہی کی مخالفت نہ صرف کی جا سکتی ہے، بلکہ علانیہ طور پر کی گئی ہے، جس کی بہت سی مثالیں آپ فقہ کی کتابوں میں پائیں گے اور بطور نمونہ بعض مسائل تقی عثمانی صاحب کے قلم سے گزشتہ صفحات میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ ایک اور عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید و پیروی میں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرے گا تو اُسے دردناک عذاب کی وعید ہے، لیکن اگر کوئی لوگوں کے مقرر کردہ امام کے امر کی مخالفت کرے تو اسے معمولی عذاب کی بھی وعید نہیں، جب ہی تو لوگوں کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید کرنے والے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی نے واشگاف اعلان فرمایا:

''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی مستند ذرائع سے موجود ہے۔ اگر کوئی آپ ﷺ کے امر کی مخالفت کرے گا تو وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و محبت کے حصول کے لیے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت کرتے رہیں۔ اگر ابوحنیفہ یا امام شافعی وغیرہما کے کسی قول و فعل کی مخالفت کی تو کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔

پس ہمیں سرے سے یہ جاننے کی ضرورت ہی نہیں کہ امام ابوحنیفہ یا کسی اور امام کا قول کیا ہے؟ ہمیں تو بس اللہ کے رسول ﷺ کے قول و فعل کی تلاش رہنی چاہئے۔ آپ ﷺ کی حدیث کی تلاش رہنی چاہئے۔ تاکہ ہم اُس پر عمل پیرا ہوں اور اس کی مخالفت کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مرتکب نہ ہوں۔

ساتواں فرق: ایمان کا دارومدار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

(اے رسول ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے (تمام) باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو بھی فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔ (النسآء:٦٥)

یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے، آپ کے علاوہ کسی اور شخص کی بات کا انکار کفر نہیں۔ دیوبندیوں کے موجودہ دور کے ''امام اہل سنت'' مولوی سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: ''جناب رسول اللہ ﷺ کی پہنچائی ہوئی اور بتائی ہوئی ہر ایک تعلیم خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت ہوتی ہے'' (راہ سنت ص ۲۳)

''اور اس کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہوتی ہے اور اُس کی پیش کردہ تعلیم کا انکار کرنے والا کافر

ہوتا ہے۔رسول کے سوا کسی دوسرے شخص کو اور اس کی پیش کردہ تعلیم کو ہرگز ہرگز یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔'' (ایضاً ص۲۳،بیسواں ایڈیشن)

اس مقام پر سرفراز خان صاحب نے صاف اور واضح الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی شخص کا یہ منصب نہیں کہ اُس کی تعلیمات کا انکار کفر ہو۔مثلاً اگر کوئی امام ابوحنیفہ کی رائے ،قیاس یا اجتہاد کا انکار کردیتا ہے تو وہ کافر نہیں ۔اسی طرح اگر کوئی شخص امام مالک ، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل یا کسی اور امام کی رائے وقیاس کا انکار کردیتا ہے تو وہ کافر نہیں، کیونکہ لوگوں نے خود اپنی مرضی سے انہیں امام ومطاع بنایا،تقلید کے نام پر ان کی اطاعت کو اپنے آپ خود ساختہ فرض یا واجب بھی قرار دیا،لیکن ان کو امام ماننے والا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ان کی رائے وقیاس کا انکار کفر ہے،لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ امام ومطاع محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مطیع بڑے ہی یقین اور وثوق سے ببانگ دہل یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تو درکنار آپ کی کسی ایک بھی ثابت شدہ تعلیم ،گفتار یا عمل کا انکار کرنے والا یقیناً کافر ہے۔حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کا انکار کفر ہی ہوتا ہے۔غور کریں تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے،اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کی طرف سے بنائے گئے ائمہ کی تقلید میں۔رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا انکار اور آپ کی نافرمانی کفر ہے اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید نہ کرنا کفر نہیں۔دوسرے لوگوں کا تو کیا ذکر خود ان کے مقلدین نے بھی ان کی کئی تعلیمات اور ان کے کئی فیصلوں کو تسلیم کرنے سے علانیہ طور پر انکار کردیا بطور مثال پانچواں فرق ملاحظہ کیجئے۔

آٹھواں فرق: شرعی حجت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کا حکم دیا۔گزشتہ اوراق میں اس کی کئی دلیلیں گزری ہیں،کوئی مسلم اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ہم بطورِ مثال مولوی سرفراز خان صفدر کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں:

۱: ''جس طرح قرآن کریم دینی مسائل میں حجت ہے اسی طرح حدیث شریف بھی حجت ہے۔'' (احسان الباری ص۱۲)

۲: ''قرآن پاک میں ان کے علاوہ اور بھی بے شمار دلائل ہیں، جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اور فرمانبرداری کو لازم قرار دیا گیا ہے اور نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اگر آپ ﷺ کا قول اور فعل حجت نہ ہوتے یا بالفاظِ دیگر حدیث حجت نہ ہوتی تو قرآنِ کریم میں اتنی تاکید کبھی نہ ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کے سلسلے میں تہدید ہوتی۔''

(احسان الباری ص۱۶)

۳: ''چونکہ احادیث کی حجّیت نصوصِ قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے۔''

(احسان الباری لفھم البخاری املائی تقریر ص۱۶)

اسی طرح صفدر صاحب اپنی تقریر ترمذی میں لکھتے ہیں:

''حدیث:- محمد رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں، تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا، آپؐ نے وہ بات سنی اور کام دیکھا اور اُس سے منع نہ کیا تو یہ بھی حدیث ہے کیونکہ نبی معصوم ﷺ نے سکوت فرما کر اس کا جواز ثابت کر دیا اور تقریر کا لغوی معنیٰ ثابت کرنا ہے۔ (خزائن السنن ج۱ص ''ن'')

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا قول و فعل تو حجت ہے ہی، لیکن کسی کے قول و فعل پر آپ کا سکوت فرمانا اور منع کرنا بھی حجت ہے۔ یہ شان ہے، یہ مقام و مرتبہ ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کا، چونکہ آپ کو لوگوں نے اپنی طرف سے امامت یا قیادت وسیادت کے منصب پر فائز نہیں کیا، بلکہ اللہ رب العالمین نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مطاع و مقتدا بنایا، جو شخص آپ ﷺ کے قول و فعل اور سکوت یعنی حدیث کی حجیت کا انکار کرے وہ یقیناً کفر کا مرتکب ہے۔ اس کے برعکس لوگوں کے مقرر کردہ امام کے بارے میں خود اُن کی تقلید کرنے والوں کا یہ اعلان ہے، جیسا کہ تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ ابن الھمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ ''تقلید'' کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''التقلید العمل بقول من لیس قوله احدی الحجج بلا حجة منها ''
''تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول ماخذِ شریعت میں سے نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کر لینا۔''

اس تعریف نے واضح کر دیا کہ مقلد اپنے امام کے قول کو مآخذِ شریعت نہیں سمجھتا، کیونکہ مآخذِ شریعت صرف قرآن وسنت (اور انہی کے ذیل میں اجماع وقیاس) ہیں۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص۱۴)

پھر کافی آگے چل کر لکھتے ہیں: ''جبکہ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ''تقلید'' کی تعریف کرتے ہوئے یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ''مجتہد'' کے قول کا حجیت شرعیہ نہ ہونا خود تقلید کی تعریف میں داخل ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص۱۲۵)

اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کا قول ہی نہیں بلکہ فعل وسکوت بھی حجت ہے۔لوگوں کی تسلی کے لیے ہم نے اس سلسلے میں یہ بات اُن حضرات کی تحریروں کے حوالے سے ذکر کی ہے جو خود لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والے ہیں اور پھر انہی حضرات کا یہ واشگاف اعلان ہے کہ ان کے اپنے مقرر کردہ ''امام'' کا قول ''حجتِ شرعی'' نہیں۔سرفراز خان صفدر صاحب نے بھی یہ بات بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:
''اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا۔''

(الکلام المفید ص۳۵)

اسی طرح مولوی احمد رضا خان بریلوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:
''تقلید غیر کے قول پر بلا حجۃ عمل کا نام ہے......الخ'' (فتاویٰ رضویہ ج۱ص۱۰۴)

جب قول ہی حجت شرعی نہیں تو فعل، سکوت یا تقریر کس طرح حجت ہو سکتے ہیں؟
الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید میں کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر ہر بات حجت شرعی ہے اور اپنے بنائے ہوئے امام کی بات اُن کا قول وفعل سرے سے ''حجت شرعی'' نہیں۔

افسوس کہ اس کے باوجود لوگ بضد ہیں کہ ان کے خود مقرر کردہ امام کی ''تقلید'' واجب ہے اور جو لوگ اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور ''شرعی حجت'' نہ ہونے کی وجہ سے ان کے امام کی پیروی نہیں کرتے تو یہ لوگ اُن پر طرح طرح کے لعن طعن کرتے ہیں۔ واجب تو ایک شرعی حکم ہے، جب اُن کے مقرر کردہ کسی بھی امام کا قول ''شرعی حجت'' نہیں تو اُن کی تقلید کس طرح واجب ہو سکتی ہے؟

نواں فرق: حکمِ اطاعت و فرمانبرداری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾

(اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے) بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اس کی اتباع کرو۔ (الانعام:۱۵۳)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کو اپنی اطاعت و اتباع کا حکم دیں۔ اس سلسلے میں احادیث بھی کافی وارد ہوئی ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبىٰ، قالوا: يا رسول الله ومن يأبى؟ قال: من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبىٰ.))

میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کون انکار کرے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کیا۔ (بخاری:۷۲۸۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ يَعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ)) جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ ح:۱۸۳۵ و دارالسلام ح:۴۷۴۷)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمل کیا اور لوگوں کو اس عمل میں رخصت دے دی، لیکن بعض لوگوں نے وہ رخصت قبول کرنے سے گریز کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، (پہلے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر فرمایا:((**مابال اقوام یتنزھون عن الشیئ أصنعه ؟ فواللّٰہ! إني لأعلمهم باللّٰہ وأشدهم له خشیة.**))

لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جو کام میں کرتا ہوں کچھ لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تمام لوگوں کی نسبت اللہ کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہوں (یعنی اس کی مرضی ومنشا اور اس کی ناراضی کے اسباب سے خوب واقف ہوں) اور لوگوں کی نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ (بخاری:۶۱۰۱، ۷۳۰۱ وصحیح مسلم:۲۳۵۶ ودارالسلام:۶۱۰۹)

اس پر بکثرت احادیث مروی ہیں استیعاب مقصود نہیں۔ آیت مبارکہ اور احادیث مذکورہ پر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ اپنی اطاعت کا حکم دیا اور جن امور سے آپ نے منع فرمایا اُن سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا اور اپنی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی قرار دیا اور دخول جنت کی لازمی شرط اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو قرار دیا، یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی صراطِ مستقیم ہے، جس کی ہر مومن و مسلم کو طلب ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کی طرف سے مبعوث، مطاع، امام اور مقتدا ہیں۔

اس کے برعکس لوگوں نے خود اپنے لیے جن شخصیات کا انتخاب کیا اور انہیں اپنا ''امام'' بنایا انھوں نے کبھی بھی اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع کیا۔

شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں:''**فان ھؤلاء الفقھاء کلھم قدنھوا عن تقلیدھم وتقلید غیرھم ،فقد خالفھم من قلدھم**''

''یقیناً ان تمام فقہا نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے، پس جس کسی نے اُن کی تقلید و پیروی کی انھوں نے ان فقہا کی مخالفت کی۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۵)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان: ''لایحل لأحد یأخذ بقولی مالم یعلم من أین قلته ونهی إلی التقلید وندب الی معرفة الدلیل'' کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ میرے قول کو لے، اُس پر عمل کرے جب تک کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ میں نے کس دلیل سے یہ بات کہی ہے۔ تقلید سے منع فرمایا اور دلیل کی معرفت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔

(مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ج ا ص ۹)

یہ بات مولوی احمد رضا خان بریلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں تحریر کی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۷۹)

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان: ''مامن أحد إلا وهو مأخوذ من کلامه ومردود علیه إلا رسول اللّٰه ﷺ'' کوئی شخص ایسا نہیں کہ اُس کی بات لی بھی جا سکتی ہو اور اُس پر رد بھی کیا جا سکتا ہو، سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۵۷)

امام شافعی کا فرمان: ''وقال یومًا للمزنی: یا إبراهیم! لاتقلدنی فی کل ماأقول وانظر فی ذلك لنفسك فإنه دین '' ''ایک دن اپنے شاگرد ابراہیم المزنی سے فرمایا: اے ابراہیم! میری ہر بات کی تقلید مت کرو بلکہ خود اپنے لیے (قرآن وسنت سے) دلائل دیکھو اس لیے کہ یہ دین ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۷)

قال صاحبه المزنی فی أول مختصره..... من أراد علم الشافعی نهی الشافعی عن تقلیده وتقلید غیره . امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ابراہیم المزنی نے اپنی اول مختصر میں فرمایا...... ''جو کوئی شافعی کے علم کو چاہتا ہے (تو وہ جان لے) امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور اپنے علاوہ کسی اور کی بھی تقلید سے منع فرمایا ہے''

(حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۴۴۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان: ''لا تقلدنی ولا تقلدن مالکاً ،ولا الأوزاعی ، ولا النخعی ولا غیرهم ،وخذ الأحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة'' میری تقلید ہرگز نہ کرنا اور نہ ہی مالک رحمہ اللہ کی اور نہ ہی اوزاعی و نخعی کی اور نہ ہی ان کے

علاوہ کسی اور کی تقلید کرنا اور دینی احکام وہیں سے لینا جہاں سے انہوں نے لیے یعنی قرآن وسنت سے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۷) (۱)

غور کریں! تو یہ ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید میں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری ان کے حکم سے ہورہی ہے اور ان اماموں کی تقلید ان کے مذکورہ بالا فرامین کے عین خلاف ہورہی ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف ہورہی ہے۔ اگر تقلید کوئی اچھی چیز ہوتی تو ائمہ کرام تقلید سے کیوں منع فرماتے؟ معلوم ہوا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان اماموں کی اطاعت کا حکم دیا نہ ان اماموں نے خود اپنی تقلید کا حکم دیا بلکہ انہوں نے تو صاف اور واضح الفاظ میں اس سے منع فرمایا اور قرآن وسنت کو اپنانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ علماء تھے وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کی ہدایت کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، انھی کی غیر مشروط ومکمل اطاعت واتباع کو قیامت تک کے لیے فرض قرار دیا ہے، انہی کی اطاعت واتباع صراط مستقیم ہے اور انہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں نجات ہے، جنت ہے اور ان سب سے بڑھ کر اللہ رب العالمین کی رضا ہے۔

ورضوان من اللّٰہ أکبر

لیکن افسوس صد افسوس کہ یہ مقلدین اس قدر مغرور ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے بے پرواہ ہو کر چوتھی صدی کے بعد ''تقلید'' کی بدعت ایجاد کی۔ مذمت میں قرآن وسنت کے دلائل کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ اتنے متشدد وسخت ہیں کہ جنہیں اپنے لیے ''امام'' منتخب کیا تقلید کے لئے ان کے فرامین کو بھی خاطر میں نہ لائے، آج تک تقلید شخصی کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اللہ ہی ان مفتیان بے توفیق کو سمجھ عطا فرمائے۔ **آمین یا رب العالمین**

دسواں فرق: مکمل اطاعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾

اور جو تمہیں رسول (ﷺ) دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اُس سے باز رہو اور تم اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر:۷)

اس آیتِ مبارکہ کا حکم عام ہے کہ جو حکم بھی رسول اللہ ﷺ دیں اُس پر عمل کرنا ہے اور جس چیز سے بھی منع فرمائیں اُس سے رک جانا ہے۔ اس تسلسل میں تقویٰ کا حکم دینا ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرنا اور آپ کی نافرمانی نہ کرنا تقویٰ کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا، آپ کے حکم کو قبول نہ کرنا اور آپ ﷺ کی نہی اور ممنوعہ امور کی خلاف ورزی کرنا اللہ رب العزت کے عذاب کا موجب ہے جیسا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ المختصر قرآن مجید کی اس آیت اور دیگر آیات سے ہمیں یہی حکم ملتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کریں زندگی کے تمام امور میں خواہ اُن کا تعلق اعتقادیات سے ہو، فروعات سے ہو، معیشت وتجارت سے ہو، سیاسیات سے ہو یا عائلی وخانگی امور سے ہو، ہر ہر معاملے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مکمل پیروی کرنی ہے۔ ہمیں یہ اختیار قطعاً نہیں کہ ہم کہیں کہ فلاں فلاں کے فرامین یا فیصلوں پر عمل کرنا ہے، ہرگز نہیں! اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((من رغب عن سنتي فليس مني .))

جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح ح ۵۰۶۳)

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''فإني أخشى إن تركت شيئا من أمره أن أزيغ ''میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے امر (یعنی آپ کے قول وفعل) میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۳ وصحیح مسلم: ۱۷۵۹، دارالسلام: ۴۵۸۰ عن عائشۃ صدیقۃ رضی اللہ عنہا)

یہ فرمان ہے اُس ہستی کا جنہیں بارگاہ رسالت سے ''صدیقیت'' کی سند ملی اور جنہیں دنیا میں جنت کی خوشخبری دی گئی، اور جن کے ''أفضل البشر بعد الأنبياء'' ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ وہ حقیقت کا اظہار فرما رہے ہیں، لوگوں کو ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے کسی امر کو آپ ﷺ کے قول و فعل کو چھوڑ دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ الحمد للہ یہ عظیم الشان مقام ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا، چونکہ آپ کو اللہ رب العالمین نے ''مطاع'' و ''مقتدا'' بنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو امامت کے منصب پر فائز فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس لوگوں کے بنائے ہوئے یا مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کا یہ مقام و مرتبہ قطعاً نہیں۔ کتنے ہی معاملات ایسے ہیں جن میں یہ اپنے مقرر کردہ خود ساختہ ''امام'' کی تقلید کے قائل نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے: ''**وإن خالف أبا حنيفة رحمه الله صاحباه في ذلك فان كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغير احوال الناس ، وفي المزارعة والمعاملة ونحوهما يختار قولهما لاجتماع المتاخرين على ذلك**''

اگر ابو حنیفہ کے صاحبین نے ابو حنیفہ کی مخالفت کی اور مخالفت کی وجہ زمانہ ہو جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کرنا تو صاحبین کے قول پر فیصلہ ہو گا اسی طرح مزارعت اور معاملات اور ان کی طرح دیگر امور میں بھی صاحبین کا قول اختیار کریں گے متاخرین کے اس پر اجماع کی وجہ سے۔ (فتاویٰ قاضی خان ۲/۱)

علامہ ابن عابدین الشامی (فتاوی) السراجیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں:

''**وقيل إذا كان أبو حنيفة في جانب وصاحباه في جانب فالمفتي بالخيار والأول اصح إذا لم يكن المفتي مجتهدًا**'' ''اگر (امام) ابو حنیفہ کسی مسئلے

میں ایک جانب اور ان کے صاحبین (یعنی دونوں شاگرد) دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ جس کا چاہے قول لے لے۔" (ردالمحتار ج اص ۷۰)

اسی طرح لکھتے ہیں: "وقد صرّحو بأن الفتویٰ علی قولِ محمد فی جمیع مسائل ذوی الأرحام وفی قضاء الاشباه والنظائر الفتویٰ علی قول أبی یوسف فیما یتعلق بالقضاء کما فی القنیة والبزازیة ای لحصول زیادة العلم له به بالتجربة (ردالمحتار ج اص ۷۱ والنسخة الاخری ۱/۵۳) وفی شرح البیری أن الفتویٰ علی قول أبی یوسف أیضًا فی الشهادات، وعلی قول زفر فی سبع عشرة مسئلة حرر تها فی رسالة" اور علماء نے صراحت کی ہے کہ ذوی الارحام یعنی رشتہ داری سے متعلق تمام مسائل میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے اور "الاشباه والنظائر" کے قضاء میں ہے کہ "قضاء" (فیصلوں) سے متعلق تمام مسائل میں قاضی ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔ شرح البیری میں ہے کہ گواہی سے متعلق مسائل میں بھی انہی کے قول پر فتویٰ ہوگا اور سترہ (۱۷) مسائل میں زفر کے قول پر فتویٰ ہے جنہیں میں نے ایک رسالے میں تحریر کیا ہے۔ (ایضاً ج ا ص ۷۱)

مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا کی تصریحات سے درج ذیل مسائل میں فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول کے بجائے ان کے صاحبین کے قول پر ہے۔

(۱) ظاہری عدالت سے متعلق مسائل پر
(۲) مزارعت یعنی زمینداری سے متعلق مسائل پر
(۳) معاملات سے متعلق مسائل پر
(۴) ذوی الارحام (رشتہ داری) سے متعلق مسائل پر
(۵) قضا (فیصلوں) سے متعلق مسائل پر
(۶) گواہی سے متعلق مسائل پر
(۷) اسی طرح سترہ (۱۷) مختلف مسائل پر زفر کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

اب دیکھئے یہ کس قدر اہم مسائل ہیں ان پر یہ اپنے مقرر کردہ ''امام'' کے قول پر فتویٰ دینا پسند نہیں کرتے، بلکہ اصول بنا لئے گئے ہیں کہ ان مسائل پر صاحبین کے قول پر ''فتویٰ'' دیا جائے اور بعض چیزوں میں ابوحنیفہ کے مقابلے میں ان کے شاگردوں کے علم وتجربہ کی زیادتی کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اسی بنا پر ان کے قول پر فتویٰ دینے کو ترجیح دی گئی۔

دیوبندی ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''تمام اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ تقلید عقائد اور ضروریات دین میں نہیں ہوتی'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۱۶)

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اصول عقائد میں تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے موجودہ ''امام'' سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''بفضلہٖ تعالیٰ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ عقائد اور اصولِ دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح وصحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے۔'' (الکلام المفید ص ۲۳۵)

ان کے ''وکیل احناف'' اور ''مناظر اسلام'' امین اوکاڑوی نے لکھا:

''صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے۔'' (مجموعہ رسائل جدید ایڈیشن ج ا ص ۱۹)

اسی طرح بریلویوں کے ''حکیم الامت'' احمد یار خان نعیمی صاحب نے لکھا ہے:

''تفسیر روح البیان آخر سورۃ ھود آیت **نصیبھم غیر منقوص** میں ہے ''**وفی الآیة ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلادلیل وھو جائز فی الفروعِ والعملیات ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لابدمن النظر والاستدلال**...... عقائد میں تقلید جائز نہیں۔'' (جاء الحق ص ۲۵ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

''حکیم الامت'' صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا جو کچھ اس طرح ہے:

''اس آیت میں تقلید کی مذمت ہے اور تقلید (کہتے ہیں) کسی غیر کے قول کو بلا حجت تسلیم کرنا اور یہ (تقلید) فروعات وعملیات میں جائز ہے اور اصولِ دین اور عقائد میں جائز نہیں، بلکہ

دلیل پر نظر اور استدلال لازمی ہے۔''

اسی طرح نعیمی صاحب نے لکھا ہے: ''نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت ''فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ میں ہے **هذه الأية تدلّ على أنّ التقليد غير كاف في الدين و انّه لابد من النظر و الاستدلال**''

(جاء الحق ص ۲۵، پرانا نسخہ ص ۱۸ مکتبہ اسلامیہ لاہور۔ص ۲۵، ضیاء الدین پبلیکیشنز)

موصوف نعیمی صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ لکھنے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی، ترجمہ کچھ اس طرح ہے: ''یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک دین میں تقلید کافی نہیں ہے اور یہ کہ تحقیق و استدلال لازمی ہے۔''

الغرض ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں بھی اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۱) عقائد میں

(۲) اصول عقائد میں

(۳) صریح احکام میں (جاء الحق ص ۲۶ پرانا نسخہ ص ۷ املخصاً، مکتبہ اسلامیہ)

(۴) اصولِ دین میں

(۵) ضروریات دین میں

قصہ مختصر بقول ''وکیل دیوبندیت'' امین اوکاڑوی صرف ''مسائل اجتہادیہ'' میں تقلید کی جاتی ہے۔ بقیہ تمام امور میں اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو غیر ضروری ہی نہیں بلکہ ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ واجب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب غور کیجئے! اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور لوگوں کے خودساختہ امام کی تقلید یعنی بلا حجت شرعی پیروی میں کس قدر واضح فرق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر ہر معاملے میں اتباع و فرمانبرداری لازمی ہے۔ خواہ وہ عقائد کے مسائل ہوں، اصول دین ہوں یا ضروریاتِ دین، صریح احکام ہوں، ظاہری عدالت، مزارعت، قضا، شہادت،

تجارت ،معیشت ،سیاست بلکہ تمام معاملات میں آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری اتباع وپیروی اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے، لازم ہے۔کوئی صاحبِ ایمان یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ فلاں فلاں امور میں آپ ﷺ کے بجائے کسی اور کے قول وفعل پر فتویٰ ہوگا (نعوذ باللہ) اور نہ کوئی صاحبِ ایمان یہ جرأت کرسکتا ہے کہ وہ کہے کہ چونکہ فلاں فلاں دینی امور میں آپ ﷺ کے بجائے فلاں شخص کا علم وتجربہ زیادہ ہے (نعوذ باللہ) پس اسی لیے ان امور میں فلاں شخص کے قول پر فتویٰ ہوگا ،جیسا کہ اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والوں نے اپنے امام کے متعلق کہا اور ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کے متعلق یہ کہنا ایمان وہدایت اور اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔پس یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت و پیروی میں اور لوگوں کے خودساختہ امام کی تقلید میں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والذی نفس محمد بیده لو بدالکم موسی فاتبعتموه وترکتموني لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًّا وأدرك نبوتي لاتبعني.))

(سنن الدارمی:۴۴۱ دوسرا نسخہ:۴۴۹ وسندہ ضعیف، فیہ مجالد بن سعید وھو ضعیف عند الجمھور)

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے!اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے تشریف لے آئیں اور تم میرے بجائے اُن کی اتباع کرنے لگو تو سیدھے راستے سے گمراہ ہوجاؤ گے اور موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے ،تو وہ بھی میری اتباع کرتے۔'' یہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ اور آپ کی اطاعت واتباع کی اہمیت کہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا طریقہ چھوڑ کر کسی نبی علیہ السلام کی پیروی بھی نہیں کی جاسکتی ورنہ گمراہی وبے راہ روی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔اب امتی وغیر نبی کس شمار میں ہیں؟ لہٰذا ایمان وعقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہر معاملے میں آپ ﷺ ہی کی سنت وہدایت کے طلبگار رہیں اور خلوص کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔

گیارہواں فرق: ترکِ اطاعت ہلاکت و بربادی

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((**قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لایزیغ عنها بعدی إلا هالك.**)) (لوگو)! میں تمہیں ایسے روشن (دین) پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ میرے بعد اس سے صرف وہ شخص گریز کرے گا جسے ہلاک ہونا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ح:۴۳ إسنادہ صحیح)

یہ حدیث وضاحت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے دین پر چھوڑا جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ اس میں کہیں اندھیرا نہیں، روشنی ہی روشنی ہے۔ روشنی میں ہر چیز واضح نظر آتی ہے، کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ جس کا دیکھنا مشکل ہو۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جس دین پر چھوڑا اُس دین کی ہر ہر بات انتہائی روشن اور واضح ہے، اس میں کہیں پیچیدگیاں، موشگافیاں اور الجھنیں نہیں ہیں، نہ یہ بہت زیادہ مشکل اور کانٹوں بھری وادی ہے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں۔

اس قدر روشن اور اتنے آسان دین سے وہی شخص دور ہوگا وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ہلاکت، بربادی اور تباہی چاہتا ہو۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ دین۔ جبکہ لوگوں کے اپنی طرف سے سے مقرر کردہ دین کے امام کی یہ حیثیت نہیں، نہ تو انہوں نے کبھی اس طرح کا دعویٰ کیا اور یقیناً ان کے فرمودات میں نقص ہے کہ جس کی تلافی کے لیے لوگوں نے ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی تلاش کر لیے کہ فلاں اور فلاں قسم کے مسائل میں فلاں اور فلاں کے قول پر فتویٰ ہوگا، اور اس پر عمل ہوگا اپنے مقرر کردہ امام کے قول پر نہ فتویٰ ہوگا نہ ہی عمل۔ یقیناً یہ روشن اور واضح نہیں ہے، اسی وجہ سے تو یہ ضرورت پیش آئی۔ اگرچہ لوگ عام طور پر یہ کہے سنے جاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے دین کو آسان اور واضح کر دیا۔ اگر اتنا ہی آسان کر دیا تھا تو آپ آج تک اُس میں (کتربیونت) کمی بیشی کیوں کر رہے ہیں جس کی مثالیں ہم فرق میں واضح کر چکے

ہیں۔ یہ کیا آسانی ہوئی کہ آپ کو آج تک کمی بیشی کی ضرورت پڑ رہی ہے اور آئندہ بھی آپ اس کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین جو نبی کریم ﷺ نے مکمل بیان فرمایا وہ ہمیشہ ہی سے آسان تھا اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے آسان ہی رہے گا۔ البتہ اس کے لیے ذوق و محبت رسول ﷺ کی اشد ضرورت ہے۔ غور کریں! تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید میں کہ آپ ﷺ کے طریقے سے ہٹنے والا ہلاکت و بربادی کے راستے پر چل پڑتا ہے، لیکن لوگوں کے بنائے ہوئے اماموں کی تقلید کی یہ شان نہیں اُن کی تقلید ترک کرنا ہلاکت و بربادی نہیں، بلکہ بعض میں ایمان کی عین شرط ہے، جب کہ ان کی بات قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

بارھواں فرق: اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾

اور اگر (ہمارے نبی ﷺ) بعض باتیں گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس (کام) سے روکنے والا نہ ہوتا'' (الحاقۃ: ۴۴ تا ۴۷)

آج کوئی کوتاہ فہم نادان یہ ہرگز نہ سمجھے کہ یہ رب الکریم کی اپنے منتخب آخری رسول خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو ڈانٹ ڈپٹ ہے **(نعوذ باللہ من سوء الفھم)** ہرگز نہیں یہ ڈانٹ ڈپٹ نہیں یہ تو رب الکریم کی اپنے رسول ﷺ کے حق وصدق کی نازل کردہ ٹھوس، واضح اور مضبوط برہان ودلیل ہے۔ آپ کے مخالفین کے الزام کا ایک دندان شکن جواب ہے جو بد بخت آپ پر بہتان طرازی کرتے تھے کہ آپ ﷺ یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لائے ہیں، ان کی ناپاک زبانیں بند کرنے کے لیے ایک مسکت ولا جواب دلیل ہے۔ جس کے سامنے وہ بالکل عاجز و بے بس ہو چکے ہیں۔ **للہ الحمد**

وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تریسٹھ (۶۳) سال کی مبارک عمر پوری فرمائی اور طبعی طور پر وفات پائی۔ اس شان سے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزات و دلائل کے ذریعے سے آپ کی بھرپور نصرت و تائید فرمائی، آپ کے تمام دشمنوں پر آپ کو مکمل غلبہ عطا فرمایا اور آپ کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا، لیکن آپ ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے زندگی بھر میں کوئی ایک بات نہیں گھڑی، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بنائی۔ بلکہ پوری زندگی اللہ کے احکام ہی کی تبلیغ فرمائی، اپنی مرضی سے اپنی رائے و قیاس سے کوئی حکم لاگو نہیں فرمایا۔ یہ خاص شان و عظمت ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ ﷺ کی۔

جبکہ جن لوگوں کو لوگوں ہی نے اپنی طرف سے ''امام'' مقرر کیا، ان کی نہ تو یہ شان و عظمت ہے نہ یہ مقام، نہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے متعلق ایسی کوئی تائید و دلیل نازل فرمائی بلکہ وہ تو عدم دلائل کی صورت میں اپنی رائے و قیاس سے بھی حکم صادر فرماتے تھے۔ مثلاً مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''مثلاً انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔ لیکن فقہاء حنفیہ نے اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷، ۱۰۸)

اب غور کیجئے! قرآن و سنت میں یقیناً ایسی کوئی دلیل نہیں کہ انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء یا دیگر اشیاء سے تیار کردہ شراب اتنی کم مقدار میں پینا کہ نشہ نہ ہو، محض قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے بلکہ دلائلِ قرآن و سنت اس کے خلاف ہیں، اسی لیے تو بعد کے حنفیوں نے بھی امام صاحب کے اس قول کو چھوڑ دیا اور دیگر اشیاء سے تیار کردہ شرابیں بھی حرام قرار دے دیں۔

المقصود جب قرآن و سنت میں اس کی دلیل نہیں تو یقیناً امام صاحب (ابوحنیفہ) نے یہ فتویٰ محض اپنی رائے و قیاس سے دیا، اس کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو ہم یہ قطعاً نہیں کہتے کہ معاذ

اللہ امام ابوحنیفہ نے جان بوجھ کر ہی ایسا کیا، ممکن ہے اس سلسلے میں انہیں قرآن وسنت کے دلائل سے آگاہی نہ ہوا گر وہ جانتے تو جانتے بوجھتے قطعاً یہ فتوی نہ دیتے، الغرض یہ فتویٰ ان کی اپنی رائے وقیاس سے تھا۔

یہ ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علی وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اگر اُن کی تقلید کرتے رہیں تو بہت سی حرام چیزوں کو بھی حلال کہنا پڑے گا اور حلال چیزوں کو حرام۔(نعوذ باللہ)

اور یہ کہ اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے اور لوگوں کے مقرر کردہ امام غلطی سے یا عدم علم یا دلیل بروقت متحضر نہ ہونے کی وجہ سے بھی اپنی رائے وقیاس سے فتویٰ دے دیتے تھے۔ان کی تنبیہ کے لیے بروقت وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا، غور کریں! یہ ایک اور عظیم الشان فرق ہے۔

تیرھواں فرق: خطا پر باقی رہنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ اور یہ (نبی) اپنی طرف سے نہیں بولتے، وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔(النجم ۳،۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنی مرضی وخواہش سے نہیں بولتے تھے بلکہ دین کے سلسلے میں آپ نے صرف وہی تعلیمات ارشاد فرمائیں جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی حکم دیا اور اگر زندگی میں چند ایک بار بتقاضائے بشریت ایسی کوئی بات سامنے آئی بھی تو اللہ رب العالمین نے فوراً وضاحت کے لیے وحی نازل فرمائی، جیسا کہ آپ ﷺ نے شہد کے بارے میں فرمایا تھا کہ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں کھاؤں گا۔

(صحیح بخاری، تفسیر سورۃ التحریم ح ۴۹۱۲)

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾ إلخ

اے نبی ﷺ! آپ کیوں (اپنے آپ پر) حرام فرماتے ہیں، جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے۔ (التحریم:۱)

حالانکہ احادیث سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے امت پر اسے حرام قرار نہیں دیا تھا، چونکہ آپ ﷺ کی زبان حق سے نکلا ہوا ایک ایک فقرہ اور جملہ ضابطہ حیات ہے، ہر ہر عمل مشعل رشد وہدایت ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہتی دنیا تک کے لیے امام، مقتدا ومطاع ہیں، آپ کی اطاعت واتباع کا حکم ہے تو لوگ کہیں آپ کی پیروی میں ایک حلال چیز کو حرام نہ کر بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت نازل فرمادی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی میں تھے، آپ ﷺ ''**معصوم عن الخطاء**'' تھے اگر ایک آدھ واقعہ پیش آیا بھی تو اُس کی فوراً اصلاح کر دی گئی آپ کو خطا پر باقی نہیں رکھا گیا، لہٰذا ان کے کسی قول وفعل میں خطا کا امکان نہیں یہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی شان وعظمت ہے۔ اب لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ یا لوگوں کے بنائے ہوئے اماموں کا حال ملاحظہ کیجیے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں تمام مقلدین کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کے ہر اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: ''کتب اصول میں وہ صراحت سے یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ **المجتهد يخطئ ويصيب** یعنی مجتہد کی رائے خطا بھی ہوسکتی ہے اور درست بھی ہوسکتی ہے وہ معصوم نہیں۔'' (الکلام المفید ص ۳۳۰۔ اس کے علاوہ ص ۳۳۱)

اسی طرح سرفراز خان صفدر صاحب اپنی ایک اور کتاب (ازالۃ الریب) میں ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی اور شیخ احمد المدعو، مُلا جیون الحنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''**وإن كان أخطأ الرّأى ينزل الوحى للتنبيه على الخطأ وماتقرّر على الخطأ قط بخلاف سائر المجتهدين فانهم إن أخطأ وا يبقى خطأ هم إلى يوم القيامة**'' (نور الانوار مع المنار ص ۲۱۸)

اور اگر آپ (ﷺ) سے خطا سرزد ہوتی تھی تو خطا پر تنبیہ کے لیے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کو خطا پر ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا، بخلاف دیگر سب مجتہدین کے، کیونکہ اگر ان سے خطا سرزد ہو جائے تو قیامت تک اُن کی خطا باقی رہتی ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۸۶)

قیامت تک خطا باقی رہنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اُن پر وحی کا نزول نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' نہیں کہ جن کا ہر ہر قول ضابطہ حیات ہو اور ہر ہر عمل رشد و ہدایت ہو اور نہ اللہ کی طرف سے مقتدا و مطاع ہیں۔ غور کریں! تو ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور بندوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں خطا کا احتمال تک نہیں اور بندوں کی طرف سے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں خطا کی پیروی کا سو فیصد امکان ہے، جبکہ سرفراز خان صفدر صاحب ہی نے علامہ محمد یعقوب البمبانی الحنفی کا یہ قول بھی اس کتاب میں نقل فرمایا کہ ''**ولا اتباع فی الخطأ**'' کہ خطا میں پیروی (درست) نہیں (المولوی علی الحسامی ص ۲۱۴ ازالۃ الریب ص ۸۵) ہر ایمان والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا امام بنا لے اور اُن کی اتباع و پیروی کرتا رہے، تا کہ وہ خطا میں پیروی کا مرتکب نہ ہو، جبکہ تقلید میں خطا میں بھی پیروی کا مکمل امکان ہے۔ افسوس کہ ان تمام حقائق کے باوجود یہ ''علماء'' تقلید شخصی کو واجب کہتے ہیں۔

چودھواں فرق: ہر ہر بات حق

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو بات سنا کرتا اُسے، یاد کر لینے کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش کے بعض لوگوں نے مجھے اس عمل سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں (بتقاضائے بشریت) آپ کبھی خوشی میں ہوتے ہیں اور کبھی ناراضی یا غصے میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے اپنی بابرکت انگلی سے اپنے مبارک منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اكتب فو الذي نفسي بيده مايخرج منه إلا حق.)) لکھو، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرے منہ سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب العلم باب فی کتاب العلم رقم الحدیث ٣٦٤٦، ورواہ الحاکم فی المستدرک، کتاب العلم رقم الحدیث ٣٥٧ وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ووافقہ الذھبی، المستدرک ج ١ص ١٨٦ اوالنسخۃ القدیمہ ج ١ص ١٠٤)

سبحان اللہ! یہ عظیم مرتبہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے کلام کا، آپ کے فرامین کا، کہ اللہ رب العالمین نے نبی ﷺ کی زبان مبارک کو محفوظ فرما دیا تھا کہ آپ کی زبان سے حق بات ہی نکلتی تھی، اور کیوں نہ ہوتا کہ آپ رہتی دنیا تک کے امام، مطاع ومقتدا ہیں۔ آپ کی زندگی بہترین نمونہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنی مبارک زبان سے نکلی ہوئی ہر ہر بات لکھنے کا حکم دیا، حالانکہ آپ ﷺ کے سامنے یہ اشکال رکھ دیا گیا تھا کہ لوگوں کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مزاجِ گرامی پر بعض اوقات غصہ و ناراضی کے آثار ہوتے ہیں اور بسا اوقات خوشی کے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس اشکال کے باوجود اپنی ہر ہر بات لکھنے کی اجازت دے کر گویا یہ وضاحت فرما دی کہ غصہ یا ناراضی ہو یا خوشی میری زبان سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے ناحق بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے برخلاف لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کا حال ملاحظہ کیجئے:

''فقال يومًا أبو حنيفة لأبي يوسف: ويحك يا يعقوب ،لاتكتب كل ما تسمع مني ، فإني قد أرى اليوم غدًا وأرى الرّاى غدًا ،واتركه بعد غدٍ''

ایک دن ابوحنیفہ نے ابویوسف سے کہا: تیرا برا ہو اے یعقوب! مجھ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کر، اس لیے کہ میں تو آج ایک رائے رکھتا ہوں کل اُسے ترک کر دیتا ہوں اور کل دوسری رائے رکھتا ہوں تو پرسوں اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔ (تاریخ ابن معین ج ٢ص ٦٠٧ وسندہ حسن)

غور کیجئے! امام ابوحنیفہ کی حقیقت پسندی وحق گوئی پر، کس طرح واضح الفاظ میں اپنے اقوال کی حیثیت بیان فرمائی کہ میں تو رائے سے بھی فتویٰ دیتا ہوں، رائے کا یہ حال ہے کہ

آج رائے دی، کل اس سے بہتر رائے سامنے آئی تو وہ رائے اختیار کر لی، پرسوں ایک اور ''رائے'' اختیار کر لی اور سابقہ رائے چھوڑ دی۔ یہ میری ''رائے'' ہی تو ہے کوئی وحی تو نہیں ہے۔ پھر اس کی یہ حیثیت واہمیت قطعاً نہیں کہ اس کو لکھا جائے، تحریر میں لایا جائے، پس تو نہ لکھا کر اور لکھنے سے منع فرما دیا۔

الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی اطاعت اور بندوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی ہر ہر بات حق ہے، اس لیے وہ نہ صرف لکھے جانے کے لائق ہے بلکہ ضروری ہے اور اس بات کی پیروی کرنے والا حق کا پیرو ہے اور بندوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی ''رائے'' لکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ تو کسی بھی وقت بدل جاتی تھی، اُس کی تقلید کرنے والوں کا حق کی پیروی کرنے والا ہونا یقینی نہیں بلکہ غلطی پر ہونا یقینی ہے کہ عین ممکن تھا کہ وہ بھی بدل جاتی۔ ہر لحظہ بدلتی ہوئی بات کا حق ہونا یقینی قطعاً نہیں ہوسکتا، البتہ غلط ہونا بالکل یقینی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے متعلق ہمیں یہ بات بتلائی کہ ''اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا'' بعض لوگوں نے اپنے لیے بھی اس بات کا دعویٰ کر دیا جیسا کہ دیوبندی ''قطب عالم'' رشید احمد گنگوہی صاحب کے متعلق لکھا گیا کہ: ''آپ نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبانِ فیض ترجمان سے فرمائے، سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر......''

(تذکرۃ الرشید ج۲ص۱۷)

کیا یہ منصب رسالت پر ''ڈاکہ'' نہیں؟ کہ جو مقام رسول اللہ ﷺ کا تھا، یہ جناب رشید گنگوہی صاحب اپنے لیے ثابت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ اور ان کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔(الاعراف:۱۵۸)

قرآن مجید تو بتاتا ہے کہ ہدایت ونجات موقوف ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر، لیکن

دیوبندیوں کے ''قطب عالم'' صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر'' کیا یہ قرآن مجید کی تعلیمات سے سراسر غفلت کا نتیجہ نہیں؟ کیا کوئی صاحبِ ایمان محبّ ِ رسول آپ ﷺ کے خصائص کو اپنے لیے ثابت کرسکتا ہے یا اپنے لیے بھی ان خصائص کا مدعی ہوسکتا ہے؟ مگر افسوس کہ بڑے بڑے القابات سے یاد کیے جانے والے صاحب جبہ و دستار بعض افراد نے ایسے دعوے کیے اور کئی لوگ ان کے راستے پر چل کر گمراہ ہوئے۔ [الحدیث:۱۸۔۱۹]

پندرہواں فرق: تارکِ سنت ملعون ہے

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ستة لعنتهم لعنهم الله و كل نبي مجاب..... والتارك لسنتي))

چھ قسم کے لوگ ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں، اللہ بھی ان پر لعنت فرمائے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (ان میں سے ایک) میری سنت کو ترک کرنے والا ہے۔

(المستدرک للحاکم ۱/۳۶ ورقم الحدیث ۱۰۲، وصححہ الذہبی)

اس حدیث کو دیوبندیوں کے موجودہ دور کے ''امام'' سرفراز خان صاحب بھی اپنی کتاب راہِ سنت (ص ۲۵) میں لائے ہیں۔ اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قال الحاکم والذہبی صحیح'' یعنی حاکم اور ذہبی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

[تنبیہ: یہ روایت سنن الترمذی: ۲۱۵۴ وصحیح ابن حبان، الموارد: ۵۲ وغیرہ میں بھی ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی الموال ثقہ، وثقہ الجمہور ہیں۔ ان کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہیں۔ تحریر تقریب التہذیب میں لکھا ہوا ہے: ''**بل ثقة و ثقه ابن معين ...**'' (۴۰۲۱)

عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن موہب حسن الحدیث ہیں، جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ دیکھئے میری تعلیق علیٰ تہذیب التہذیب ۷/۲۸، ۲۹، لہٰذا شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس روایت کو ضعیف قرار دینا غلط ہے۔/ زبیر علی زئی]

علامہ راغب اصفہانی نے ''لعنت'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا: ''**اللعن الطرد والا بعاد علٰی سبیل السخط وذلك من اللّٰه تعالٰی فی الآخرة عقوبة و فی الدنیا انقطاع من قبول رحمته وتوفیقه ومن الإنسان دعاء علٰی غیره**''
''لعن'' کسی سے ناراض ہوکر اسے دھتکارنے یا دور کردینے کو کہتے ہیں اور یہ (لفظ) جب اللہ کی طرف سے (استعمال) ہوتو اس سے مراد آخرت میں عذاب اور دنیا میں اپنی رحمت و توفیق کا ختم کردینا ہے، اور اگر انسان کی طرف سے یہ لفظ استعمال ہوتو اس سے مراد اس کا کسی دوسرے کے لئے بددعا کرنا ہے۔ (المفردات ص۴۵۴)

''لعنت'' کے اس معنی اور مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد ﷺ کا کیا مقام و مرتبہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی سنت کو ترک کردینے والا ہو آپ کے طرزِ عمل سے اعراض کرنے والا ہو آپ کے طریقہ سے منہ پھیرنے والا ہو، اس پر اللہ رب العالمین کی لعنت ہے، مطلب یہ کہ وہ شخص اللہ کی رحمت و توفیق سے محروم ہوکر آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ **أعاذنا اللّٰه منه**

اسی طرح نبی کریم ﷺ جن کے دل میں انسانیت کے لئے بے انتہا شفقت، محبت و ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، کی بددعا کا شکار یہ محروم شخص ہوگا۔ آپ ﷺ جو اپنی امت سے بڑی محبت فرماتے تھے، جنھیں اپنی امت کی فکر ہر لحظہ دامنگیر رہتی، ہر مقام پر اپنی اُمت کا خیال رکھتے، وہ جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ ان رسولِ رحمت ﷺ کی طرف سے بھی ایسے شخص کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت و توفیق سے محرومی کی بددعا۔ لعنت ہے۔

یہ ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد ﷺ کا مقام و مرتبہ، شان و عظمت کہ جو آپ کی اتباع و پیروی کرے گا آپ کی ہدایات کو اپنائے گا آپ کے نقش قدم پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اُس سے محبت فرمائے گا، اُس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا، لیکن جو کوئی اس کے برعکس رویہ اختیار کرے گا، آپ ﷺ کی اتباع، پیروی اور آپ کی سنت سے روگردانی کرے گا اس پر اللہ لعنت فرمائے گا، اپنی رحمت سے دور کردے گا اور اپنے عذاب میں مبتلا کردے گا۔

لیکن جنھیں لوگوں نے خود اپنی طرف سے ''امامت'' کے منصب پر فائز کر دیا اور ان کی مرضی کے خلاف خود اپنی طرف سے ان کی تقلید و پیروی کو واجب، لازمی وضروری ٹھہرایا۔ ان کی تقلید و پیروی کا ہرگز ہرگز بھی یہ مقام و مرتبہ نہیں ہے۔قرآن وسنت میں کہیں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ جو شخص لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید و پیروی کا انکار کر دے گا، ان کی تقلید کو ترک کر دے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لعنت ہوگی، وہ اللہ کی رحمت وقرب سے دور کر دیا جائے گا، اس پر آخرت میں عذاب ہوگا۔حاشا وکلا نہیں اور ہرگز ہرگز نہیں، قرآن وسنت میں ایسی کوئی بات نہیں۔قرآن وسنت اس تصور سے یکسر خالی ہیں۔ یہ مقام و مرتبہ تو صرف اور صرف اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' کے اتباع و پیروی کا ہے، ان کی سنت کا ہے۔ یہ ایک اور واضح فرق ہے امام کی تقلید اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں، لیکن افسوس! کہ جب اپنی مرضی ومنشا سے اپنی طرف سے بغیر کسی سلطان و برہان کے، بغیر کسی دلیل وشرعی حجت کے ''امام'' مقرر کرنے والوں نے اور پھر ساری امت پر ان اماموں کی تقلید کو واجب، ضروری اور لازمی قرار دینے والوں نے جب یہ دیکھا کہ اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' کی اتباع و پیروی اور ان کے طریقہ کی اس قدر اہمیت ہے اتنا بڑا مقام ہے کہ جو اسے ترک کر دے تو وہ ''لعنت'' کا مستحق ٹھہرتا ہے اور ہمارے مقرر کردہ امام کی تقلید و پیروی اس سے خالی وتہی دامن ہے اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں تو بعینہٖ یہی مقام و مرتبہ بلکہ یوں کہیے کہ اس سے کئی گنا بڑھ کر اپنے بنائے ہوئے امام کے لئے بھی گھڑ لیا گیا۔

علاء الدین الحصکفی (حنفی) نے اپنی کتاب درمختار میں لکھا: ''**فَلعنةُ ربنا أعداد رمل على من رد قول أبي حنيفة**'' اس شخص پر ریت کے ذرات کے برابر لعنتیں ہوں جو ابوحنیفہ کے قول کو ٹھکرا دے۔ (درمختار ۱/۱۳، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

بلاشبہ امام ابوحنیفہ ان کے اس بدترین غلو سے بری ہیں، نہ تو یہ ان کی سوچ تھی اور نہ یہ تعلیمات.... لیکن یہ مقلدین کا ''غلو'' ہے۔ ہماری معروضات بھی ان مقلدین ہی سے متعلق ہیں۔

اللہ کی پناہ، غور کریں! تو واضح ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مقابلہ جاری ہے، جو فضائل، جو شان و عظمت جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرر کردہ ''امام'' کو عطا فرمایا اور قرآن وسنت میں ان کے لئے بیان ہوا۔ لوگوں نے پوری کوشش کی کہ ویسی ہی شان و عظمت ویسا ہی مقام و مرتبہ اپنے بنائے ہوئے امام کے لئے بھی گھڑ دیں، بلکہ بعض مقام پر تو اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر دعویٰ کر دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ تو ایک مولوی صاحب نے اٹھ کر یہ کہہ دیا کہ ''سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے'' (تذکرۃ الرشید ۲/۱۷) اسی ضمن میں گنگوہی صاحب کا یہ فرمان ہے کہ ''حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط بات نہیں نکلوائے گا'' (حکایات اولیاء المعروف بہ ارواح ثلاثہ ص ۳۱۰ حکایت نمبر ۳۰۸)

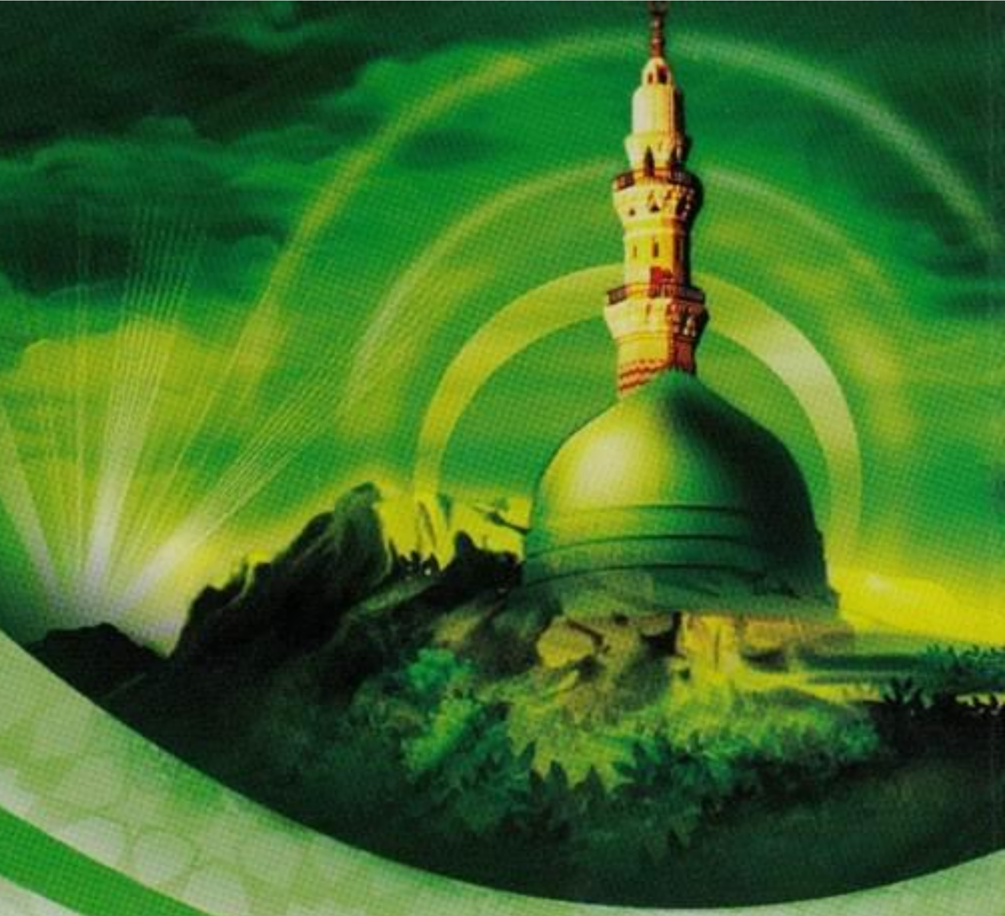
اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ جو نبی ﷺ کی اتباع کرے گا تو اللہ اس سے محبت فرمائے گا اس کی بخشش فرمائے گا تو کچھ ایسا ہی دعویٰ لوگوں نے اپنے امام سے متعلق کر دیا۔ حدیث میں تارکِ سنت پر ''لعنت'' کی گئی تو آلِ تقلید نے بھی اپنے مقرر کردہ امام کے قول رد کرنے والوں پر لعنت نہیں بلکہ لعنتیں کر دیں اور اس قدر لعنتیں کر دیں کہ سارے مقلدین جمع ہو کر بھی اسے شمار میں نہیں لا سکتے، اگرچہ ہر ایک کو ہزار ہزار سال کی عمر ہی کیوں نہ مل جائے۔ آخر ریت کے ذرات کو کون شمار میں لا سکتا اور کس طرح لا سکتا ہے؟

اس طرح لعنت کی برسات کرنے پر حیرت کے ساتھ ساتھ انتہائی افسوس بھی ہوتا ہے کہ اس کا نقصان بھی خود انھیں پہنچتا ہے، چونکہ وہ بہت سے مسائل میں اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کے اقوال رد کر چکے ہیں، انھیں چھوڑ چکے ہیں اور بہت سے مسائل میں انھوں نے باقاعدہ اصول وضع کئے ہیں کہ ان مسائل میں امام ابوحنیفہ کے بجائے ان کے فلاں فلاں شاگرد کے اقوال لئے جائیں اور ان پر فتویٰ دیا جائے، بطور مثال اس مضمون کا ''دسواں فرق'' ملاحظہ کیجئے۔ آپ پر واضح ہوگا کہ کس طرح یہ لوگ بذاتِ خود اپنے ہی تراشیدہ دام میں الجھے ہوئے ہیں، خود ساختہ باتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

[تنبیہ بلیغ: ’’فلعنة ربنا‘‘ والاقول در مختار میں امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ یا ابن ادریس (الشافعی) رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ دیکھئے حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار (۱/۴۶، ۴۵ ورد المحتار ۱/۴۷) یہ قول بالکل بے سند ہے نہ تو ابن المبارک رحمہ اللہ سے ثابت ہے اور نہ ابن ادریس سے۔ بلکہ کسی امام سے بھی یہ قول باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ بے سند اقوال موضوع روایات سے بھی نچلا درجہ رکھتے ہیں اور سرے سے مردود ہوتے ہیں۔ بے سند اور جھوٹے اقوال وہی لوگ پیش کرتے ہیں جو بذاتِ خود انتہائی خطرناک قسم کے جھوٹے اور بے سند ہوتے ہیں۔ جو لوگ ’’فلعنة ربنا‘‘ والا قول کسی امام سے ثابت سمجھتے ہیں تو باسند صحیح پیش کریں۔ ادارہ الحدیث اس مطالبے کے جواب کا منتظر ہے اور اگر ایسی کوئی صحیح سند پیش کردی گئی تو بصد شکریہ ’’الحدیث‘‘ میں شائع کردی جائے گی۔ ان شاءاللہ]

[الحدیث:۲٦]



منهاج السنة النبوية لائبریر

حیدرآباد دکن